زاہد حسن *

سید وارث شاہ کا پنجابی ترجمہ قصیدہ بُردہ شریف: تعارف، تجزیہ اور تقابلی مطالعہ

پنجابی شعری ادب میں تراجم کی شان دار روایت موجود رہی ہے۔ اگرچہ پنجابی نثری ادب میں بھی مختلف زبانوں کے بعض بے حد اہم نوعیت کے تراجم کیے گئے لیکن شعری ادب کے تراجم کو نثری ادبی تراجم پر ہمیشہ فوقیت حاصل رہی۔ پنجابی کی کلاسیکی شعری روایت میں بعض ایسے شعرا کے نام بھی ملتے ہیں جو نہ صرف پنجابی کے قادر الکلام شعرا کی صف میں شمار ہوتے ہیں بلکہ ان کے کیے گئے تراجم کی افادیت آج تک مسلمہ ہے۔

سید وارث شاہ کا شمار ایسے شعرا میں ہوتا ہے جن کے کسی ایک تخلیقی شاہکار نے ان کی دیگر کاوشوں کو قارئین کی نظروں سے اوجھل رکھا ہے۔ مثال کے طور پر سید وارث شاہ کے قصہ ہیر رانجھا نے انھیں شہرت کی اس قدر بلندیوں تک پہنچا دیا کہ ان کے دوسرے کام پر زیادہ توجہ مرکوز نہیں کی جاسکی۔ حقیقت یہ ہے قصہ ہیر رانجھا پنجابی شعری ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پھر بھی جب ہم ان کی دوسری تخلیقی کاوشیں دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ محض ایک قادر الکلام شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک بلند پایہ مترجم بھی تھے۔ ان کی یہ حیثیت قصیدہ بردہ شریف کے پنجابی ترجمے کے مطالعے کے بعد اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے اور انھوں نے ایک جگہ خود لکھا

ہے:

وارث شاہ میاں تیرا علم ہویا مشہور وچ جن تے انس طیریں۔[۱]

(وارث شاہ میاں تمھارا علم تو جنات، انسانوں اور پرندوں میں بھی مشہور ہے)

سبط الحسن ضیغم قصہ ہیر رانجھا اور قصیدہ بردہ شریف کے ترجمے کے علاوہ سید وارث شاہ کی تخلیقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سید وارث شاہ نے قصہ ہیر رانجھا کے علاوہ کئی اور چھوٹے بڑے قصے تخلیق کیے۔ گنیش داس بڈہرہ ان کی ایک سے زیادہ سی حرفیوں کی بات کرتے ہیں ...... جو اس زمانے میں ہرمن پیارے ادبیات کا حصہ تھیں، لیکن ہمارے [کذا] تک پہنچنے والی سید وارث شاہ کی صرف حسبِ ذیل تخلیقات موجود ہیں:
>
> قصہ لاہور نامہ: یہ پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بارے میں سی حرفی کی صنف میں لکھی گئی پنجاب کی منظوم تاریخ ہے۔
>
> قصہ سسی پنوں: یہ بھی سی حرفی ہے جسے ایک ڈھنگ میں پُر سوز انداز میں تخلیق کیا گیا ہے۔
>
> عبرت نامہ: اٹھارھویں صدی کے عہد زوال کا منظوم تذکرہ ہے۔
>
> معراج نامہ: پنجابی شعرا کے لیے معراج نامہ ہمیشہ ایک اچھوتا موضوع رہا ہے۔ سید وارث شاہ نے بھی اس واقعے کو منظوم کیا ہے، مختصر ہونے کے باوجود موثر تخلیق ہے۔
>
> دوہڑہ جات: سید وارث شاہ نے اس صنف میں زورِ قلم دکھایا ہے۔ دستبردِ زمانہ سے کئی دوہڑہ جات محفوظ رہ گئے ہیں اور ذاتی لائبریریوں میں موجود کتب کے اوراق کے مطالعے سے مل جاتے ہیں۔
>
> بارہ ماہ: ایک بارہ ماہ کو بھی سید وارث شاہ سے منسوب کیا گیا ہے۔[۲]

وارث شاہ کی شاعرانہ عظمت پر بہت زیادہ لکھا جاتا رہا ہے اور اب تک لکھا جا رہا ہے۔ تاہم یہاں یہ امر باعثِ تشویش ہے کہ وارث شاہ کے پڑھنے والوں اور زیادہ تر لکھنے والوں کا محور و مرکز ان کی تصنیف قصہ ہیر رانجھا رہتی ہے۔ اس کی وجوہات پر بحث کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اس پر بہت زیادہ لکھے جانے کے کئی اسباب ہیں جب کہ قصیدہ بردہ شریف کے ترجمے اور دیگر تصنیفات

کے آنکھوں سے اوجھل رہنے کی بظاہر کوئی ایک وجہ نظر نہیں آتی، ماسوائے اس کے کہ ہم بحیثیت مجموعی علم اور کتاب سے دور ہو چکے ہیں۔

سید وارث نے قصیدہ بردہ شریف اور قصہ ہیر رانجھا کی تصنیف کا زمانہ ان اشعار میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

یاراں سے بونجہ سن ہجری ظاہر ہویا
تاں ایہہ بیت جواہر موتی لڑی کتاب پرویا

(جب گیارہ سو باون ہجری سنہ آیا، تو میں نے یہ اشعار کے جواہر اور موتی کتاب کی لڑی میں پروئے۔)

سن یاراں سے اسی نبی ہجرت لمے دیس دے وچ تیار ہوئی
اٹھاراں سے تریہیاں سمتاں دی راجا بکرماجیت دے سار ہوئی

(جب یہ کتاب تیار ہوئی تو گیارہ سو اسی ہجری جب کہ اٹھارہ سو تیئس بکرمی سال تھا۔)

۱۹۶۹ء میں ماہنامہ پنج دریا کے وارث نمبر میں محترمہ ممتاز سلیم کا ایک مضمون بعنوان ''سید وارث شاہ دا قصیدہ بردہ دا ترجمہ''[۳] شائع ہوا، جس کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ سید سبط الحسن ضیغم نے قصیدہ بردہ شریف کی تدوین کے وقت یقیناً اس مضمون سے بھی مدد حاصل کی ہو گی۔ مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں دعویٰ کیا ہے کہ ان کے پاس قصیدہ بردہ شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> راقم الحروف کے پاس قصیدہ بردہ کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت وارث شاہ صاحب کے اپنے ہاتھ کا مخطوطہ ہے۔ یہ ایک خاصا ضعیف نسخہ ہے، جس کے صفحات تعداد میں ایک سو بیس ہیں، لمبائی چھے انچ اور چوڑائی تقریباً ساڑھے چار انچ ہے۔ لکھنے کا سنہ ۱۱۵۲ ہجری ہے۔[۴]

اس حوالے سے وہ مزید لکھتی ہیں:

> یہ مخطوطہ جو ہمارے پاس ہے، اس میں فارسی اشعار کا ترجمہ علامہ جمال الدین چنابی نے کیا ہے۔ پنجابی اشعار سید وارث شاہ کے ہیں۔ فارسی کا ہر شعر عربی بیت کے نیچے

> لکھا ہے اور اس کے نیچے پنجابی شعر۔ خط عربی، فارسی یا پنجابی کا درمیانے درجے کا ہے اور اس کی طرز سے اس کی قدامت کا پتا چلتا ہے۔ قصیدے کے آخر میں پنجابی کے اشعار ہیں، جن سے تاریخ اور مصنف کا پتا چلتا ہے۔
>
> یاراں سے بونجہ ہجری ظاہر ہوئے
> تاں ایہہ بیت جواہر موتی لڑی کتاب پروئے[۵]

یہ وہی شعر ہے جو تھوڑے سے فرق کے ساتھ ضیغم صاحب نے بھی درج کیا ہے اور اس سے آگے کچھ اور اشعار درج کیے گئے ہیں۔

سید علی عباس جلال پوری وارث شاہ کی پنجابی شاعری کے بارے میں اپنی تصنیف مقامات وارث شاہ میں لکھتے ہیں:

> وارث شاہ پہلے عظیم شاعر ہیں جن کے کلام کے سبب پنجابی زبان اپنی پوری تابنا کی، وسعت، لچک اور رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ وارث شاہ کے پاس الفاظ و تراکیب کا ایک لا زوال ذخیرہ ہے جس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت بھاشا کے الفاظ موجود ہیں، لیکن اس بے ساختگی کے ساتھ استعمال میں آئے ہیں کہ غریب اور نامانوس معلوم نہیں ہوتے اور پنجابی کی اصل لطافت اور شگفتگی برقرار رہتی ہے۔[۶]

بقول سید علی عباس جلال پوری، وارث شاہ کے یہاں زبان و بیان کی وسعت کے ساتھ ان کے علم اور تجربے کا اظہار اور اس خطے میں رائج زبانوں کے اثرات بھی ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سید علی عباس جلال پوری نے بھی یہ بات سید وارث شاہ کے لکھے قصہ ہیر رانجھا کے تناظر میں کی ہے، جب کہ ان کی دیگر تصنیفات کا مطالعہ کرنے سے بھی ان کی یہ بات سچ ہی ثابت ہوتی ہے کہ وارث شاہ کا علم، دینی و دنیاوی ہر حوالے سے ان کے ہر قصے کے ہر ہر لفظ میں بولتا ہے۔ آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ پنجابی نہ صرف یہ کہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے بلکہ اس میں دیگر زبانوں کے علوم کا ترجمہ کرنے کی روایت بھی قدیم ہے، جو اس کے پڑھنے والوں کے ذوق، علم و حکمت اور علوم ظاہری و باطنی کے حصول سے شغف اور دلچسپی کی واضح دلیل بھی ہے۔ عذرا وقار لکھتی ہیں:

> وارث نے یہاں بہت سی رائج الوقت کتابوں کا ذکر کیا ہے۔مثلاً یوسفی طب، میزان، قرطاسِ سکندری، طب اکبر، انواع، صرفِ بہائی، صرفِ میر، حیرت الفقہ، فتاویٰ برہنہ، رازقِ باری، واحد باری، خالق باری، گلستان، بوستان، بہار دانش، طوطی نامہ، شاہنامہ، قران السعدین، دیوان حافظ وغیرہ۔ عالمگیر کے عہد میں پنجابی زبان میں بچوں کے لیے نصابی کتب کا سلسلہ شروع کیا گیا...... ایزد باری امید نے ۱۰۶۱ھ میں اللہ باری اورعبدالرحمٰن نے فارسی نامہ لکھا۔[۷]

یہاں یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی باتوں کی وضاحت کر دی جائے جو اس مضمون کی تیاری کے سلسلے میں متن، شاعروں اور ان کے تذکروں کے حوالے سے صحیح کھوج کے ضمن میں آڑے آتی رہیں۔ اور کچھ غلطیوں کا برملا اعتراف بھی کیا جائے، جو پنجابی شعر و ادب اور ان کے خالقوں کے حوالے سے کھوج، تدوین و ترتیب اور درست متن کے ساتھ مسلسل اگلی نسلوں تک نہ پہنچا کر ہم نے کی ہیں۔ وارث شاہ کے حوالے سے زیادہ تر تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی کام قصہ ہیر رانجھا کے تناظر میں ہی کیا گیا ہے۔ نجانے کیوں ان کی دیگر تخلیقات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ وارث شاہ کے فکر وفن کے بارے میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد کی خصوصی اشاعتوں کے ساتھ ساتھ ان پر شائع ہونے والی کتب میں بھی یہی رویہ اور رجحان غالب نظر آتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا سلوک ہمارے جدید و قدیم تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں نے حافظ برخورداروں کے حوالے سے بھی روا رکھا ہے۔ چونکہ حافظ برخوردار[۸]، وہ پہلے پنجابی شاعر ہیں جنھوں نے قصیدہ بردہ شریف کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔سید وارث شاہ سے بھی پہلے ان کا ترجمہ ملتا ہے۔

اس ساری صورت حال کے باوجود خوش آیند بات یہ ہے کہ پنجابی زبان و ادب کے حوالے سے سبط الحسن ضیغم نے اپنی مخصوص افتادِ طبع کے پیشِ نظر جان توڑ محنت کی اور قصیدہ بردہ شریف کے متن کو سودھ کر پڑھنے والوں کے سامنے بہتر صورت میں پیش کرنے کے عزم نے انھیں وارث شاہ کی زندگی اور شاعری کے ساتھ ساتھ ان چاروں شعرا کے بارے میں بھی تحقیق پر اکسایا، جو حافظ برخوردار کے نام سے معروف ہیں، ورنہ مولا بخش کشتہ[۹]، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر[۱۰]، قاضی فضل حق[۱۱] اور سید اختر

حسین جعفری[۱۲] نے ایک دوسرے کی تقلید و تائید میں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ معلومات بہم نہ پہنچائیں بلکہ زیادہ تر باوا بدھ سنگھ کی کتاب پریم کہانی[۱۳] اور ڈاکٹر بنارسی داس جین کی کتاب پنجابی زبان تے اوہدا لٹریچر[۱۴] میں درج بعض بنیادی نوعیت کی معلومات پر ہی انحصار کیا۔

لفظ قصیدہ کے لغوی معنی:

> قصیدہ کے لغوی معنی ہیں: (الف)۔قصد شدہ، (ب)۔سطبر یعنی دل دار گودا یا گاڑھا مغز۔ قصیدہ عربی کی اہم ترین صنفِ سخن ہے جس میں مدح اور ہجو، رزم و بزم، عرفان و اخلاق سبھی کچھ بیان ہوتا رہا ہے لیکن قصیدہ اردو میں براہ راست عربی سے نہیں بلکہ فارسی کے توسط سے آیا ہے اور اردو کے قصیدہ گو شعرا نے قصیدہ نگاری میں بالعموم فارسی شعرا کی تقلید کی ہے۔[۱۵]

قصیدے کے حوالے سے مذکورہ تعریف سے ملتی جلتی ہی تعریف ہمیں خورشید رضوی کی تصنیف عربی ادب قبل از اسلام، جلد اول میں بھی ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''قصید'' یا ''قصیدہ''، مادہ ''قصد'' سے نکلا ہے جس کے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہیں مثلاً ارادہ کرنا، رخ کرنا، میانہ روی، سیدھا ہونا، ٹکڑے کرنا یا برابر برابر کے ٹکڑے کرنا، کونپلیں نکالنا، فربہ ہونا، وہیں کا وہیں مار ڈالنا، مرجانا، ہڈی کا جما ہوا گودا یا مینگ وغیرہ۔ ''قصیدہ'' کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں کئی معنوں پر قیاس دوڑایا گیا ہے مثلاً مینگ یا گودے کی نسبت سے اسے ''پر مغز کلام'' تصور کیا گیا ہے۔ برابر برابر کے ٹکڑے کرنے سے اس کے مصرعوں کی ہیئت کی طرف اشارہ سمجھا گیا لیکن سب سے زیادہ دل لگتی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ''قصد و ارادہ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ رجز کے مقابلے میں، جو گویا بلا قصد و ارادہ چند برجستہ مصرعوں پر مشتمل ہوتی تھی، قصیدے میں اشعار کی ایک معقول تعداد ''قصداً'' اور اہتمام کے ساتھ نظم کی جاتی تھی۔[۱۶]

ان جملہ تعریفوں میں سے ایک تعریف جو دل کو زیادہ بھاتی ہے وہ ''پُر مغز کلام'' ہے، بالخصوص جب اس کا اطلاق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ہونے والے بیان پر کیا جائے، اور پھر سامنے قصیدہ بردہ شریف ہوتو لگتا ہے کہ قصیدہ کی تعریف وہی مخصوص تعریف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان ہوئی اور جو قصیدہ بردہ شریف میں امام محمد شرف الدین

البوصیری نے بیان کی۔

قصیدہ بردہ شریف:

بشیر حسین ناظم نے قصیدہ بردہ شریف اور امام بوصیری کے حوالے سے لکھا ہے:

> قصیدہ بردہ شریف کے مصنف امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید البوصیری تھے جو اپنے وقت کے علما میں شمار ہوتے تھے۔ اس زمانے کے متصوفہ میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ عمر کے پچاسویں سال ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ حکما سے علاج کروایا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ ایک رات حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی بیماری کی کیفیت اشعار کی صورت میں بیان کرتے کرتے سو گئے۔ سرکار مدینہ تشریف لائے اور بوصیری پر اپنی چادر ڈال دی۔ اس چادر کی یُمن و برکت سے اللہ تعالیٰ نے بوصیری کو صحت عاجلہ و کاملہ سے نوازا۔ سید وارث شاہ نے اس قصیدے کا پنجابی ترجمہ کیا۔ وارث شاہ کے پنجابی اشعار میں عربی اشعار کا سا کیف و سرور ہے۔ وارث شاہ سے پہلے حافظ برخوردار[۱۷] رانجھا قصیدہ بردہ کا پنجابی ترجمہ کر چکے تھے۔[۱۸]

اس سلسلے میں سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں:

> تراجم کے اس مجموعے میں شامل دوسرا ترجمہ حافظ برخوردار کی تخلیق ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے یوسف زلیخا عہد عالمگیری میں ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء میں تخلیق کی اور ۱۶۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ متعلقہ تذکروں میں ان کے احوال و آثار کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے اور جو مواد موجود ہے اس سے معاملات اور الجھ جاتے ہیں۔[۱۹]

ان حوالوں سے ماسوا، اس کے کچھ اور مقصود نہیں ہے کہ پنجابی میں سب سے پہلا منظوم ترجمہ حافظ برخوردار نے کیا اور یہ کہ اسے کتنا عرصہ ہوگیا۔ نیز یہ کہ جب قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ سید وارث شاہ کر رہے تھے تو ان کے سامنے کم از کم ایک ترجمہ ضرور موجود ہوگا۔ (ہم اس بات کا محض گمان ہی کر سکتے ہیں کہ انھوں نے یہ ترجمہ پڑھا ہوگا۔)

اب اس قصیدے کی تخلیق کے محرکات اور امام محمد شرف الدین البوصیری کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابوالبرکات مولانا محمد عبدالمالک کھوڑوی کی شرح قصیدہ بردہ شریف

اہمیت کی حامل تصنیف ہے۔ اس کے شروع میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

قصیدۂ بردہ منظوم امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری علیہ الرحمۃ ایسا قصیدہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور اخلاص و محبت کے لحاظ سے حضور علیہ السلام کی نعت میں آج تک اس شان کا کوئی قصیدہ نہیں لکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک لفظ میں تاثیر ہے اور بعض شعروں کی تاثیر تو ایسی ثابت ہوئی ہے کہ بڑے بڑے صالحین اور عام لوگوں نے اس کے متعلق متواتر شہادت دی ہے جس کی نسبت شک کرنا خلافِ اخلاص ہے۔ میرے خاندان میں ہمیشہ سے یہ قصیدہ پڑھا جاتا ہے۔ اور میں نے بارہا آزمایا ہے کہ یہ حصولِ حاجات اور دفعِ مصائب کے لیے تیر بہدف ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں اس کے برکات اظہر من الشّمس ہیں۔[۲۰]

اسی شرح میں آگے جا کر وہ امام محترم البوصیری کے بارے میں لکھتے ہیں:

قصیدہ بردہ کے ناظم علیہ الرحمۃ کا نام امام شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بن عماد بن محسن بن عبد اللہ بن منہاج بن بلال منہاجی ہے۔ آپ بوصیری کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ کا حال کتب ذیل سے معلوم ہوسکتا ہے:

فوات الوفیات، مصنفہ ابنِ شاکر، جلد دوم، صفحہ ۲۰۵،

حسن المحاضرہ، مصنفہ سیوطی علیہ الرحمۃ، جلد اول، صفحہ ۲۷۳،

انسائیکلو پیڈیا اوف اسلام، جلد اول، صفحہ ۸۰۴،

معجم البلدان، جلد اول، صفحہ ۶۰۳، مطبوعہ مصر،

آپ مغربی الاصل ہیں۔ دلاص میں پیدا ہوئے اور بصیر میں جو ملک مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے، نشو ونما پائی۔ آپ شوال کے پہلے سہ شنبہ ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۹۶ھ میں وفات پائی۔ حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ آپ نظم میں جزار اور وراق سے (جو مشہور شاعر ہیں) فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے زیادہ فائق و افضل تھے۔[۲۱]

سبط الحسن ضیغم نے ان کے حالات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا ہے:

ابوعبداللہ عبداللہ شرف الدین محمد نسلاً عرب نہیں تھے، بلکہ آپ کا خاندانی سلسلہ بربر قومیت سے تھا، جس کی ایک معروف شاخ بنو جنون ہے جو صنہاجہ قبیلے کا ایک حصہ

ہے (ص:۵: مقدمہ دیوان بوصیری) بوصیری کے بزرگ قلعہ بنی حماد میں مقیم
تھے، جو وسطی غربی الجزائر میں واقع تھا۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے بالائی مصر میں
بوصیر نامی گاؤں میں آ بسے، جو آج بوصیری کی وجہ سے عالمی شہرت کا مرکز بن گیا۔[۲۲]

وجہ تخلیق اس قصیدے کی پہلے بھی بیان کی گئی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ جب بھی اس قصیدے کا کوئی ترجمہ ہوا، اس کی شرح کی گئی یا پھر اس کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو امام بوصیری کی بیماری کا بیان اور اس قصیدے کی تخلیق کے مابعد شفا نصیب ہونے کا ذکر بھی ضرور آیا۔

عالم فقری نے اس قصیدے کا منثور ترجمہ کیا ہے۔ قصیدے کے شروع میں وہ اس واقعے کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> بیماری جب طول پکڑ گئی تو دوست احباب سب کچھ چھوڑ گئے حتیٰ کہ عزیز و اقارب تک بیزار ہو گئے آخر ایک روز ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی جائے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت ہی بے بسی کی حالت میں یہ نعتیہ قصیدہ کہا اور بارگاہ رسالتؐ میں عقیدت مندی کے پھول پیش کیے اور پھر کچھ عرصے تک یہی قصیدہ پڑھتے رہتے حتیٰ کہ ایک روز روتے روتے سو گئے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام بوصیری کے جسم پر ہاتھ پھیرا، جب امام بوصیری بیدار ہوئے تو انھوں نے محسوس کیا کہ بالکل تندرست ہو گئے ہیں اور ان کا مرض جاتا رہا۔ یہ قصیدہ ۶۶۰ھ میں لکھا گیا تھا اور صدیاں گذرنے کے بعد بھی آج تک بالکل ایسے ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسا کہ ابھی ابھی لکھا گیا ہے۔[۲۳]

اور یقیناً مرادیں مانگنے والوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور جو کوئی بیمار صدق دل سے اس کو پڑھتا ہے تو شفا یاب ہوتا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف کی وجہ تسمیہ سبط الحسن ضیغم کے الفاظ میں یوں ہے:

> اس سلسلے میں ہر شارح، ہر مترجم اور قصیدہ بردہ شریف کے بارے میں لکھنے والے ہر مصنف اور محقق نے بہت کچھ لکھا ہے کہ اسے بردہ کا نام کیوں دیا گیا۔ علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری نے اپنی کتاب شرح طیب الوردہ میں اس سلسلے میں

تمام معلومات کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں اپنی طرف سے کوئی بات کرنے کی بجائے ان کی حسب ذیل تحقیق کو نذرِ قارئین کیا جائے وہ یوں رقمطراز ہیں:

خلاصہ یہ کہ لغت میں بردہ دھاری دار کپڑے کو کہتے ہیں اور چونکہ اس قصیدے میں ناظم فاہم نے مختلف مضامین کی آرائش کی ہے۔ کہیں بادِ صبا سے مخاطبہ، کہیں اظہار شوق و ذوق، کہیں غمِ ہجر کی داستان، کہیں تنہائی کا شکوہ، کہیں نفس امارہ پر عتاب، کہیں مدعی مدعا علیہ کے سوال و جواب، کہیں اعترافِ قصور، کہیں عذر خواہی، کہیں نفس کے مکروں سے ڈرانا، کہیں عوام قارئین کو وعظ سنانا، کہیں دربار رسالتؐ میں استغاثہ، کہیں سرکارؐ مدینہ کے حضور میں استشفاع، کہیں مدحت و مناعت، کہیں شرح کمالاتِ ذات، کہیں اظہارِ معجزات، کہیں فضیلت صحابہؓ، کہیں مارنحت عذبات البان ریح صبا، کہیں واطرب العیس بالنغم تو گویا یہ مختلف مضامین ثوب عشق و محبت پر خط ہیں۔ اس بنا پر اس قصیدہ مبارکہ کا نام قصیدہ بردہ رکھا گیا۔[۲۴]

قصیدہ بردہ شریف کی فصلوں کے حوالے سے سبط الحسن ضیغم نے یوں دادِ تحقیق دی ہے:

قصیدہ بردہ شریف کو موضوع کے اعتبار سے دس فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ فصلیں امام بوصیری نے مدون نہیں کی تھیں، بلکہ مرتبین نے اپنی اور قارئین کی سہولت کے لیے قصیدے کو دس حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کے بارے میں اپنے اپنے موقف کو مدلل اور حتمی بنانے کے لیے تفصیل و اجمال دونوں سے کام لیا گیا ہے۔

ہر فصل میں اشعار کی تعداد یکساں نہیں۔ کوئی فصل ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے اور کوئی فصل تیس پر۔ ان میں بھی کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ بیشتر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قصیدے میں موجود اشعار کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے باقی اشعار الحاقی ہیں، جو عقیدت مند شاعروں کی جانب سے ایزاد کیے گئے ہیں، لیکن قدیم قلمی نسخے اور شرحیں اس معاملے میں راہنمائی کرتی ہیں۔ مفتی خرپوت نے شعر نمبر ۵۴ کو اور کئی دوسرے محققین نے شعر نمبر ۷ کو الحاقی قرار دے کر ۱۶۰ شعروں پر صاد کیا ہے ہم نے اس مجموعے میں ۱۶۱ اشعار کا ترجمہ پیش کیا ہے، کیونکہ تمام مترجم شعرا نے ۱۶۱ شعروں کا ترجمہ کیا ہے، مگر

متعلقہ فصلوں کے قدیم اور جدید ترتیب اور تدوین کیے گئے نسخوں میں ہر فصل اور اس میں موجود اشعار کی تعداد کچھ یوں ہے:[۲۵]

		موضوع	قدیم ترتیب میں شعری تعداد	جدید ترتیب میں شعری تعداد
۱	فصل اول	تشبیب	۱۳	۱۲
۲	فصل دوم	اعترافات اور نفس کی مذمت	۱۶	۱۶
۳	فصل سوم	مدح حضور پاکؐ	۳۰	۳۰
۴	فصل چہارم	میلادالنبیؐ	۱۹	۱۳
۵	فصل پنجم	دعوت و ارشاد	۱۰	۱۷
۶	فصل ششم	شرف قرآنی	۱۷	۱۷
۷	فصل ہفتم	معراج النبیؐ	۱۳	۱۳
۸	فصل ہشتم	جہادالنبیؐ	۲۲	۲۲
۹	فصل نہم	طلبِ مغفرت	۱۴	۱۲
۱۰	فصل دہم	مناجات و حاجات کا بیان	۹	۱۲
			۱۶۳	۱۶۴

پنجابی میں تراجم:

مختلف النوع تحقیقی و تدوینی ذرائع سے سامنے آنے والے پنجابی تراجم کی تعداد اس قدر تو نہیں جسے کافی قرار دیا جائے تاہم پنجابی میں قصیدہ بردہ شریف کے تراجم جس قدر کیے گئے ہیں برصغیر کی کسی دوسری زبان میں شاید اتنے بھی نہ میسر ہوں، پھر قصیدہ بردہ شریف کے ساتھ ساتھ ہمیں قرآن کریم سمیت دیگر مذہبی و دینی کتب کے شعری و نثری تراجم ملتے ہیں جو نہ صرف یہاں کے لوگوں کے مذہبی و تہذیبی رجحانات و میلانات کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ ان کی عقیدت و محبت کا بھی پتا دیتے ہیں، اور یہ بھی کہ اس وقت یہاں عربی و فارسی علوم کا چلن کس قدر عام تھا، لوگوں میں پنجابی زبان کے ساتھ محبت اور لگن اتنی زیادہ تھی کہ ہر گھر میں ان کتابوں کا ہونا عام سی بات تھی اور ان کا مطالعہ ان کے روز مرہ معمولات کا جزوِ لازم تھا۔ کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن کافی تعداد میں چھپتے تھے۔

تفسیرات قرآنی ، قصیدہ بردہ شریف ، احسن القصص اور ہیر وارث شاہ کا

مطالعہ، اور گھروں میں ان کی اونچی آواز سے قرأت اور پڑھت تو خیر لازم تھی ہی۔ اس وقت کتب کی اشاعت میں تسلسل کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صوفی شاعر سید محی الدین قادری[۲۶] کی شعری منظومات پر بارِ ہشتم درج ہے، جو پنجابی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اور یہ کتاب ۱۱۰۰ کی تعداد میں ایک چھوٹی سی بستی غُذاں (جالندھر) کے پتے سے شائع ہوئی ہے۔

جہاں تک قصیدہ بردہ شریف کے تراجم کا تعلق ہے، سبط الحسن ضیغم نے اپنے مجموعۂ تراجم میں اس کی تفصیل حسب ذیل دی ہے:

> قصیدہ بردہ شریف کے جس قدر تراجم دست بردِ زمانہ سے بچ گئے اور ہم ان سے آگاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے یا جن کا بعض تذکروں یا کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل قادر الکلام عظیم شعرا کی عقیدت کا مظہر ہیں:
>
> ۱۔ سید وارث شاہ، ۲۔ حافظ برخوردار، ۳۔ خواجہ غلام مرتضیٰ قلعہ والے، ۴۔ محمد عزیز الدین، ۵۔ سید نیک عالم میر پور،[۲۷] ۶۔ جان محمد، ۷۔ محمد شاہ، ۸۔ محمد سعید، ۹۔احمد یار مرالوی، ۱۰۔ میر احمد نواز خان پنج پھولاں، ۱۱۔ مولانا نبی بخش حلوائی، معاصرین: ۱۲۔ڈاکٹر مہر عبد الحق مرحوم، ۱۳۔ پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری، ۱۴۔ پروفیسر اسیر عابد، ۱۵۔ اثر انصاری فیض پوری۔[۲۸]
>
> ۱۶۔ سید سبط الحسن ضیغم[۲۹] (یہ منثور ترجمہ اس مجموعۂ تراجم میں شامل ہے۔)

بشیر حسین ناظم نے اپنے مختصر تبصرے کے ساتھ کم و بیش یہی نام گنوائے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> سید وارث شاہ نے اس قصیدے کا پنجابی ترجمہ کیا۔ وارث شاہ کے پنجابی اشعار میں عربی اشعار کا کیف و سرور ہے وارث شاہ سے پہلے حافظ برخوردار رانجھا قصیدہ بردہ کا پنجابی ترجمہ کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں قصیدہ بردہ کے درج ذیل تراجم قابل ذکر ہیں:

قصیدہ بردہ	حافظ برخوردار رانجھا	۱۰۷۱ھ /۱۶۵۹ء
قصیدہ بردہ	وارث شاہ	۱۱۸۵ھ /۱۷۲۲ء
قصیدہ بردہ	یار محمد علی	۱۲۳۱ھ /۱۸۱۵ء

قصیدہ بردہ	جان محمد	۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
قصیدہ بردہ	محمد نیک عالم	۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء
قصیدہ بردہ	محمد عزیز الدین	۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء
قصیدہ بردہ	محمد شاہ دین	۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء
قصیدہ بردہ	پروفیسر احمد حسین قریشی قلعداری	۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء
قصیدہ بردہ	ڈاکٹر مہر عبدالحق (سرائیکی انگ)	۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۸ء

ان کے علاوہ اس مشہور و مقبول قصیدے کے تراجم مولوی محمد اسمٰعیل فاضل دیو بند، حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ قصوری اور مطیع اللہ صاحب نے بھی کیے ہیں۔[30]

علاوہ ازیں انور انیق اور محمد اختر جھ[31] کے منظوم تراجم بھی اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ جب کہ حفیظ تائب نے ایک اور شاعر حافظ محمد صادق وکیل کے منظوم پنجابی ترجمے کا حوالہ بھی دیا ہے۔[32]

سید وارث شاہ کے ترجمے کی انفرادیت:

وارث شاہ نے ایک جگہ لکھا ہے:

بات بات وچ تیری ہین کامن وارث شاہ دا شعر کیہ سحر ہے نی

ترجمہ: وارث شاہ تیری بات بات میں جادوگری ہے، تیرے اشعار کیا ہیں یوں لگتا ہے گویا جادو ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ وارث شاہ کا یہ سحر قصہ لاہور نامہ، قصہ سسی پنوں، عبرت نامہ، معراج نامہ، دوہڑہ جات، بارہ ماہ، قصہ ہیر اور ترجمہ قصیدہ بردہ شریف میں سر چڑھ کر بولتا سنائی دیتا ہے۔ وہ دیگر علوم وفنون کے ساتھ ساتھ زبان و بیان اور واقعات کو ان کی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اور ان کے اشعار میں وہ لطافت اور جاذبیت موجود ہوتی ہے جو پڑھنے والے کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ مستند روایات اس حوالے سے موجود ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی رہا ہے جب پورے پنجاب کے ہر قصبے، ہر بستی میں کتنے ہی گھروں میں قصہ ہیر رانجھا کے نسخے موجود ہوتے اور ہر جگہ قصہ ہیر رانجھا کا حافظ ایک آدھ ضرور مل جاتا۔ ہیر پڑھنے اور سننے والوں کی بیٹھکیں ہوتیں، چوپال جمتے۔ غرضیکہ ایک سحر تھا جو

ہیـــر پڑھنے سننے والوں پر طاری رہتا۔ دیکھا جائے تو ان کی دیگر تخلیقات میں بھی یہ کرشمہ موجود ہے۔ مثال کے طور پر یہاں قصیدہ بردہ شریف کے پہلے ہی شعر کا ترجمہ دیکھتے ہیں، دیگر پنجابی شاعروں نے اسے کس رنگ ڈھنگ میں بیان کیا ہے اور وارث شاہ اسے کیسے بیان کرتے ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ زیادہ تر مترجمین کے یہاں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک جیسا مفہوم ہے۔ جہاں کچھ زیادہ فرق محسوس ہوتا ہے، اس شعر کا ترجمہ بھی ساتھ دے دیا گیا ہے:

امـــن تـــذکـــر جیـــران بـــذی ســلـــم
مـــزجـــت دمـــعـــا جـــرا مـــن مـــقـــلة بـــدم

جد یاد کراں دل اپنے اتے ساتھی ذی سلم دے
رون ہنجوں، چھم چھم برسن پلکاں نالے دم دے

(حافظ برخوردار)

(اپنے دل میں جب آپؐ کے ساتھیوں کو یاد کرتا ہوں، تو انکھیں چھم چھم خون برساتی ہیں۔)

آکھ دیکھاں تا یاد پیونیں پیارے ذی سلم دے
ہنجوں اکھیں وہٹن تیریاں آکھ کہاں تینوں کیہ غم

(غلام مرتضیٰ)

جاں جاں ذی سلم دے دل وچ یاد کریں ہمسائے
اکھ تیری، رت ہنجوں دا اک بھاری مینہ وسائے

(محمد عزیز الدین)

شاید، یاد آئی پھر تینوں، یاری ذی سلم دی
اتھرو خون آلودہ تیری تاہئیں ناہیں تھم دی

(سید محمد نیک عالم)

(شاید، تجھے آپؐ کے ساتھی یاد آئے ہیں، اس لیے تیری خون آلودہ آنکھیں مسلسل برسنے سے نہیں تھم رہیں۔)

ذی سلم دے آہنڈ گواہنڈوں چیتے آکے یاراں
کدھرے تیریاں ہنجواں نوں نہیں کیتا رت پھوہاراں

(اسیر عابد)

ذی سلم دے فیر گواہنڈھی یاد خورے تُد آئے
ایسے لئی اج تیریاں اکھیاں خونی نیر وہائے

(محمد اختر جچہ)

اور اب وارث شاہ کے ترجمے سے پہلے اسی شعر کا اردو ترجمہ جو محمد فیاض الدین نے کیا ہے:

کیا تمھیں یاد آگئے ہمسایگانِ ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دم بہ دم

اور اِس پہلے شعر کا ترجمہ سید وارث شاہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

جاں چِت آون تیرے تائیں ساتھی ذی سلم دے
نین تیرے رت ہنجو روون، مارن درد الم دے

(جب تجھے آپؐ کے ساتھی یاد آتے ہیں، درد والم کے مارے، تیرے نین خون روتے ہیں۔)

سید وارث شاہ نے یہاں لفظ ''چِت آون'' کو جس کے معنی یاد، یادداشت اور کئی بار ''من'' یا ''اندر'' (باطن) بھی لیے جاتے ہیں، ایک نئے سلیقے اور حسن کے ساتھ برتا ہے۔ محض اس ایک لفظ کے استعمال سے شعر کے اس ترجمے میں وہ لطافت اور انفرادیت پیدا ہوگئی ہے، جو ہمیں قصیدہ بردہ شریف کے اس ترجمے میں شروع سے آخر تک نظر آتی ہے۔ ٹھیٹھ اور جان دار لفظیات کا انتخاب اور پھر اس کو نہایت عمدگی کے ساتھ برتنا بھی اس ترجمے کی قابل داد خصوصیت ہے۔

''چِت آون'' کی مانند اگلے ہی شعر کے پہلے مصرعے میں انھوں نے ''ٹھنڈی واؤ'' کا خوبصورت استعمال کیا ہے، پھر ''محبوباں دی واؤں'' کی ترکیب دے کر مصرعے میں کمال حُسن پیدا کر دیا ہے۔ یہاں ''واؤں'' سے مراد پیاروں کی یادوں کی خوشبو بھی لی جا سکتی ہے۔ پورا مصرعہ دیکھیے:

یا ایہہ ٹھنڈی واؤ گھُلی، محبوباں دی واؤں

(ص ۹۶)

(یا پھر یہ کہ ٹھنڈی ہوا چلی، جو محبوبوں کی یادوں کی خوشبو سے پھوٹی۔)

دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ محض ''وا'' یا پھر ''سجن دی وا'' کیا ہے۔ سید وارث شاہ کے ترجمے کی دیگر بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ دو خوبیاں مزید بھی ہیں، ایک تو اُن لفظیات کا استعمال جو عام طور پر شعرائے کرام کے یہاں مستعمل نظر نہیں آتا۔ دوسرا یہ کہ وہ ایسے الفاظ منتخب کرتے ہیں، جو ان کے ماحول میں عام برتے جا رہے ہوتے ہیں اور وہ انھیں استعمال میں لا کر اپنے شعری و تخلیقی عمل کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ ان کے ترجمے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کے لفظوں کا انتخاب باطنی عقیدت کا عکاس نظر آتا ہے، مصرعے گویا ترتیب وار ان پر وارد ہو رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سید وارث شاہ کے یہاں شعری رچاؤ زیادہ محسوس ہوتا ہے بہ نسبت ان دیگر شعرا کے جنھوں نے قصیدہ بُردہ شریف کا پنجابی ترجمہ کیا۔ مثال کے طور پر ایک شعر (ص۹۷) کا ترجمہ کرتے وقت انھوں نے لفظ ''ڈھائیں ڈھائیں'' استعمال کیا ہے۔ جب کہ اس کے لیے حافظ برخوردار نے ''ترم ترم'' اور غلام مرتضٰی نے ''زار و زاری'' استعمال کیا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں لفظ اپنے متعلقہ معنی ظاہر کر رہے ہیں لیکن وہ لطف اور وہ دلآویزی پیدا ہوتی نظر نہیں آتی جو وارث شاہ نے اپنے ترجمے میں لفظ ''ڈھائیں ڈھائیں'' کے استعمال سے کی ہے۔ تینوں اشعار دیکھتے ہیں:

اکھیں نوں میں منع کراں، نہ روو ڈھائیں ڈھائیں
دِل نوں صبر قرار دیاں پر، دوویں سمجھن ناہیں

(سید وارث شاہ)

(میں آنکھوں کو زار و قطار رونے سے روکتا ہوں اور دل کو صبر کی تلقین کرتا ہوں، لیکن دونوں میری ایک نہیں سنتے۔)

کیہا نینیں، جاتوں کہناں، نہ روو ترم ترم دے
کیہا دِل، جاں توں متیں دیویں، مارے دھر وستم دے

(حافظ برخوردار)

(آنکھوں سے میں رونے سے باز آنے کے لیے کہتا ہوں، دل کو ظلم وستم اٹھانے سے منع کرتا ہوں۔)

کیہ ہویائی اکھیں تائیں، رووَن زار و زاری ایہہ
کیہ ہویائی دل تیرے نوں، ہوش نہ آوے کوئی دم

(غلام مرتضٰی)

(نا معلوم، آنکھیں آنسو کیوں بہاتی ہیں، پتہ نہیں تیرے دل کو کیا ہوا ہے جو زار و قطار روتا ہے۔)

نہ صرف یہ کہ لفظوں کا انتخاب بلکہ پورے کا پورا شعر وہ حسن و خوبی لیے ہوئے ہے جو اپنے پڑھنے والے پر مکمل ابلاغ کرتا ہے اور ترجمے سے بڑھ کر تخلیقی عمل کا حصہ لگتا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۹۹ پر موجود شعر میں ''ہنجھوں مُول نہ روندوں'' کی ترکیب میں ''ہنجھوں'' کے اضافے نے ایک طرح کی شدت پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۰۲ پر موجود شعر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ متاخر مترجمین نے سیّد وارث شاہ کے قصیدہ بُردہ شریف کے اس ترجمے کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس شعر کے مطالعے کے بعد دیگر مترجمین کا ترجمہ پڑھتے ہوئے بہت سے الفاظ اور مصرعہ سازی کا وہی عمل نظر آتا ہے جو سیّد وارث شاہ کے یہاں ہے:

جاں دل یاد پوے اوہ دلبر، رتی نیند نہ آوے
آہو، عشق خوشحالی دے وچ غم، تے درد لیاوے

(سیّد وارث شاہ)

(جب دل کو وہ دلبر یاد آتا ہے تو نیند بالکل نہیں آتی۔ ہاں! عشق اچھی بھلی زندگی میں درد و غم لیے داخل ہو جاتا ہے۔)

اسی طرح صفحہ ۱۰۴ پر لفظ ''معلم'' اور صفحہ ۱۰۷ پر ''اوجھڑ'' لفظ کا استعمال یہ باور کرواتا ہے کہ سیّد وارث شاہ نے عوامی سطح کی زبان کو اپنے تخلیقی ترجمے کے اظہار کے لیے برتا۔ مزید اپنی لفظیات اور محاوروں کے استعمال سے وہ کسی خاص علاقے اور لہجے تک بھی اپنے آپ کو محدود نہیں کر رہے بلکہ ایک ایسا مرکزی لہجہ اور زبان برت رہے ہیں جو پورے پنجاب میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ شعر (ص ۱۰۵) کا یہ ترجمہ اسی بات کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے:

تُوں تاں سانوں کریں نصیحت میں تے سناں نہ بھورا
عاشق لکھ ملامت سن کے، ہو رہے کنّوں ڈورا

(تو ہمیں نصیحت کرتا ہے لیکن ہم بالکل نہیں سنتے، ہم وہ عاشق ہیں جو لاکھ ملامت کیے جانے پر بھی کان بند ہی رکھتا ہے۔)

نیز اس شعر کو پڑھنے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اِس میں وہ نثری حسن موجود ہے جس میں حد درجہ سادگی، روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ پورے شعر میں کوئی لفظ اضافی لگتا ہے اور نہ ہی کم دکھائی دیتا ہے کہنا چاہیے کہ سہلِ ممتنع کی عُمدہ ترین مثال ہے:

نفس تیرا تاں لڑکے وانگوں جے دُدھ دیویں تے پیوے
نہ دیویں تے منگدا ناہیں، خواہ مرے خواہ جیوے

(ص۱۱۲)

(یہ تیرا نفس عجیب بے پرواہ بالکے کی مانند ہے اگر تو اسے دودھ دو تو پیتا ہے، لیکن اگر نہ دو تو مانگتا نہیں، چاہے جیے یا مرے۔)

اگلے شعر میں ''کھوہے پائے'' جیسے محاورے کا استعمال بھی ہمیں کسی دیگر مترجم کے یہاں نہیں ملتا۔

آکھے نفس نہ لگیں بھورا، توڑے نکل کرائے
اس سرکش دا کیہ بھروسہ، مت گھر کھوہے پائے

(ص۱۱۴)

(ہرگز نفس کے کہنے میں نہ آنا، چاہے تیرے سامنے آن ظاہر ہو، اس سرکش کا کچھ بھروسہ نہیں کہ یہ گھر کا گھر کنوئیں میں ڈال آئے، مطلب ضائع کر دے۔)

پنجابی میں 'کھوہ پانا'، 'کھوہ گھتنا' اور 'کھوہ سٹنا' ایسے محاورے ہیں جس کے معنی ہیں کسی کام، عمل، بات یا شے کا انت، اس کا خاتمہ کر دینا، بھول جانا، ضائع کر دینا وغیرہ۔ یہاں وارث شاہ نے ایک تو لفظ ''بھورا'' (ذرّہ برابر، بالکل کہنے میں نہ آنے کے معنی میں) برتتے ہوئے نفس کو ایسا سرکش بتایا ہے جس کے کہنے میں آکر تم گھر کا گھر 'کھوہ پا' (مطلب تباہ و برباد کر سکتے ہو) دیتے ہو۔ سیّد وارث شاہ نے شعر کے مطالب جس وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دیگر مترجمین کے یہاں ویسا نہیں ہے اور پھر وہ بھی منظوم شعری انداز میں۔ ایک اور شعر کے ترجمے میں دیکھیے ترجمہ، سادہ، سلیس اور رواں تو ہے ہی، نمایاں ترین بات، قریب ترین دستیاب لفظوں کا استعمال ہے جو اس وقت بھی عام بول چال میں تھے اور جو آج بھی پورے پنجاب میں بولے جاتے ہیں۔ مزید ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے کیے گئے ترجمے میں کسی قسم کا ابہام لفظی اور فکری سطح پر موجود نہیں ہوتا۔

کیوں کر سددا دنیا ول کوئی حاجت مند نہ آہی
جے کر حضرتؐ مول نہ ہوندے دنیا کتھے آہی

(ص ۱۲۷)

(دنیا میں کس لیے بھیجتا جب کہ اس کی حاجت نہ تھی، آپؐ نہ ہوتے تو پھر دنیا کہاں ہوتی۔)

ایک شعر میں جہاں امام بوصیری نے آپ کی ان صفات کے کمالات کا ذکر کیا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو آپ کے کرم اور دستگیری کے طفیل خداتعالیٰ نے کسی تکلیف، مصیبت اور اِمتحان میں ڈالے بِنا ہی وہ عنایات اورنوازشات عطا کردی ہیں، جن سے عام طور پر مخلوقِ خدا بہت دُور ہے۔

کچھ تکلیف نہ دسّی حضرتؐ جس وچ اوکھے ہوئے
محض کمال محبتّ سیتی نہ جھُرے نہ روئے

(ص ۱۴۱)

(آپؐ نے اپنی کوئی تکلیف کبھی بیان نہیں کی، کمال محبت کی وجہ سے نہ افسوس کیا، نہ ہی کبھی آنسو بہائے۔)

ایک اور شعر کے ترجمے میں(ص ۱۶۳) انھوں نے لفظ ''انبروں'' اور ''بھاہ پئی'' کا ایسا خوبصورت استعمال کیا ہے کہ جس سے نہ صِرف شعر میں ہر لفظ نگینے کی طرح جڑا دکھائی دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو ان کے قوافی دیکھ کر اور پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ یقیناً انھی لفظوں کو بطور قوافی استعمال ہونا چاہیے تھا۔ کیا چمکتے ہوئے اور بولتے ہوئے لفظ دکھائی دیتے ہیں۔ شعر دیکھیے:

انبروں نٹھا سی شیطانے رات ولادت سرورؐ
پچھوں سبھ شیطانے بھنے بھاہ پئی نیں سر پر

(جب آپؐ پیدا ہوئے تو آسمانوں سے شیطان دوڑا آیا، اور پھر اس کے پیچھے پیچھے سب شیطان آئے۔ ایسے، جیسے ان کے سروں پر آگ لگ گئی ہو۔)

یہاں لفظ ''بھنے'' بمعنی ''بھاگنے'' کے ایسا عُمدہ اور جم کر اور ایسی بے ساختگی کے ساتھ آیا ہے کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ ہمیں سید وارث شاہ کا ترجمہ قصیدہ بُردہ شریف پڑھتے ہوئے جس کیف اور سُرور و مستی کا احساس ہوتا ہے گمان غالب ہے کہ سیّد وارث شاہ بھی ترجمہ کرتے وقت

اس کیفیت سے ضرور گذرے ہوں گے۔ ترجمے کا مطالعہ کرتے ہوئے کہیں ایک آدھ جگہ پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے بعض لفظ بہ امر مجبوری برتے ہیں تاہم یہ باقی مترجمین کی نسبت بہت کم ہیں مثال کے طور پر اس شعر (ص ۱۶۵) میں:

انج سنگریزے سٹے حضرت پھڑ تسبیح دو کف تھیں
جیوں مہتر یونسؑ مچھی پیٹوں ایویں خبر سلف تھیں
(آپؐ نے ہاتھوں میں تسبیح لیے، یوں سنگریزے پھینکے، جیسے حضرت یونسؑ کو مچھلی نے اپنے پیٹ سے باہر پھینکا تھا، بزرگوں سے یونہی سننے میں آتا ہے۔)

یہاں ''ایویں خبر سلف تھیں'' اضافی محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے اضافی بھی نہیں کہ پڑھتے ہوئے گراں گذریں۔ اور پھر ڈیڑھ سو سے اوپر اشعار کے ترجمے میں کسی ایک آدھ مصرعے میں اس طرح کے اضافی لفظوں کا استعمال جانے انجانے میں ہو ہی جاتا ہے، اور پھر کئی ایک اشعار میں انھوں نے متن کی توسیع کرتے ہوئے معانی میں وسعت بھی پیدا کی ہے۔ اور ترجمے کو با مقصد اور بامحاورہ بھی رہنے دیا ہے۔ مثال کے طور پر زیرِ نظر شعر (ص ۲۰۵) میں انھوں نے ایک آیت کا حوالہ دیا ہے جو واقعۂ معراج کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اس ترجمے میں یہ خوبی بھی ہمیں صرف وارث شاہ کے یہاں ہی نظر آتی ہے۔ باقی مترجمین نے اس شعر کا ترجمہ اپنی بساط بھر ہی کیا ہے۔ شعر کا ترجمہ دیکھیے:

حضرت اوس مقامے پہنچے جتھے گیا نہ کوئی
اَو ادنیٰ تھیں اقرب اس نوں آدر ملی آ ڈھوئی
(آپؐ اس مقام پر پہنچے، جہاں کوئی نہیں پہنچ سکا۔ آپؐ کو اللہ کے بہت قریب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔)

یہاں '' اوس مقامے'' سے مراد 'سدرۃ المنتہیٰ' اور اُس سے بھی آگے کا مقام ہے جہاں رسائی محض آپ کو ہی حاصل ہوئی، اور وہاں جانے سے جبریلؑ بھی قاصر رہے۔ دوسرے مصرعے میں قرآن مجید کی آیت 'فکان قاب قوسین او ادنی ' کی طرف اشارہ ہے، یعنی جتنا فاصلہ دو کمانوں کے درمیان ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ قرب کا مقام آپ کو حاصل ہے۔

اسی طرح آخر میں ایک اور شعر (ص۲۳۹) کا ترجمہ دیکھتے ہیں، جو ترجمے کی عمدہ اور اعلیٰ مثال ہے۔ اور بجائے خود ایک طبع زاد شعر بھی معلوم ہوتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ترجمے میں ماورائے متن کیفیات بھی نظر آتی ہیں، تخلیقی طور پر یہ صورتِ حال تبھی وقوع پذیر ہوتی ہے جب کوئی فنکار اپنے فن کے بلند ترین درجے پر فائز ہوتا ہے۔

سرورؐ تھیں میں قول نہ بھناں توڑے عامی ہویا
سوئی امیدے دے وچ دھاگہ ختم نبیاںؐ پرویا

(آپؐ سے کیا گیا وعدہ نہیں توڑ سکتا، چاہے میں ادنیٰ سے بھی عام ہوں، انھوں نے امید کی سوئی میں خاتم النبیینؐ کا دھاگہ پرو دیا۔)

یہاں اُن کے نبی آخر الزمانؐ ہونے اور مترجم کی امیدِ شفاعت کو کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ غرض سید وارث شاہ کا ترجمہ، دیگر مترجمین کے ترجمے کی نسبت زبان و بیان، اسلوب اور تخلیقی کیفیات کے حوالے سے علاحدہ اور منفرد ہے اور یہ ان کے کامل اور مکمل شاعر اور تخلیق کار ہونے کی دلیل بھی ہے۔

امام بوصیری کے مندرجہ ذیل شعر کا ترجمہ حافظ برخوردار، سید وارث شاہ، محمد عزیزالدین، خواجہ غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری، ڈاکٹر مہر عبدالحق، حافظ محمد صادق وکیل اور اسیر عابد نے اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔ شعر ہے:

یا اکرم الخلق ما لی من الوذ بہ
سواك عند حلول الحادث العمم

یا حضرت مینوں بن تیرے ناہیں تکیہ کوئی!
وقت مصیبت اوکھے ویلے کوئی نہ دیوے ڈھوئی

(حافظ برخوردار)

(اے محمدؐ! مجھے تیرے بن اور کس کا آسرا ہے، مصیبت اور مشکل کی گھڑی میں کوئی اور سہارا نہیں۔)

بہتر سبھ خلقت تھیں تُوں ہیں ہور پناہ نہ کائے
باجھ تساں وچ خطر عظیمے تے وچ سخت بلائے

(سید وارث شاہ)

(اے اشرف المخلوقات! تیرے بنا میری اور کوئی پناہ نہیں، عظیم خطروں اور سخت بلاؤں میں صرف آپؐ ہی واحد سہارا ہیں۔)

اے چنگا خلق دا کوئی ناہیں جس تھوں منگاں یاری
تدھ سوا، جب سر پر آئے حادثہ مشکل بھاری

(محمد عزیز الدین)

اے سردار خلائق مینوں جا پناہ نہ کائی ہے
باجھوں یاری تیری ویلے مشکل سختی اندر غم!

(خواجہ غلام مرتضیٰ)

اے محبوبا تیرے باجھوں کون کرے غم خواری
وقت مصیبت تیرے باجھوں کون کرے دلداری

(قریشی احمد حسین قلعداری)

اکرم المخلوق! بیا وت کون ڈیندا ہم پناہ!
ہر مصیبت عام و خاص ءِ چ توں ہیں میڈی تکیہ گاہ

(ڈاکٹر مہر عبدالحق)

خلق عظیم دے مالک شاہا دسیں بار خدایا
چھڈ تیرا در کِت وَل جاواں غم نے گھیرا پایا

(حافظ محمد صادق وکیل)

(اے عظیم المخلوق! اے بادشاہ، خدا کے لیے بتانا، تمھارا در چھوڑ کر کہاں جاؤں، جب کہ سخت غموں نے آن گھیرا ہے۔)

تسی کریم خلائق اندر باجھ تساں نہ ڈھوئی
جدوں بلائیں سر میرے تے اترن بن بن ڈاراں

(اسیر عابد)

اسی شعر کا اردو ترجمہ محمد فیاض الدین اور فارسی ترجمہ عبدالرحمٰن جامی کچھ یوں ہے:

اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون
حادثاتِ عام میں جب گھیر لیں رنج و الم

....

اے گرامی تر ز خلقاں من ندارم ملجأے
جز تو چوں آید قیامت یا بود مرگِ تنم

متذکرہ بالا سبھی تراجم میں جو ایک مشترکہ خوبی نظر آتی ہے وہ اخلاص اور محبت ہے جو تمام مترجمین کے لیے قصیدہ بردہ شریف کے ترجمے کی بنیاد بنا ہے۔ سید وارث شاہ نے اپنے ترجمے میں قرینے اور سلیقے کے ساتھ لطیف الفاظ منتخب کیے، عمدہ بحر برتی اور نہایت احتیاط کے ساتھ ان لفظوں کا انتخاب کیا جو بہت زیادہ معنوی وسعت لیے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم پانچویں فصل کا جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت مبارکہ کے بارے میں ہے، دوسرا اور دسویں فصل کے آخر پر موجود دعائیہ اشعار میں سے ایک شعر کا ترجمہ دیکھتے ہیں:

کانما سطرت سطرا لما کتبت
فروعها من بدیع الخط فی اللقم

اوہناں درختاں دیاں شاخاں خط لکھے جو وچ راہے
نال قلم جو کاتب لکھدا پکی ہوئی صلاحے

(سید وارث شاہ)

ان درختوں کی شاخوں نے خط لکھے جو راستے میں تھیں۔ ویسے ہی جیسے ایک خوش خط کاتب نہایت غور وفکر کے بعد لکھتا ہے۔

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسط راہ میں با پیچ و خم

(محمد فیاض الدین)

ما رنحت عذابات البان ریح صبا
واطرب العیس حادی العیس بالنغم

نت درود نبیؐ تے جب لگ شاخاں واؤ ہلائے
یا جاں حادی خوش کر شتراں مٹھے بول سنائے

(سید وارث شاہ)

(تب تک آپؐ پر درود شریف، جب تک شاخوں کو ہوا جھلاتی ہے۔ یا پھر جب تک شتر سوار اونٹوں کو خوش کن آواز میں گیت سنائے۔

جب تلک بادِ صبا چلتی رہے گلزار میں
اور اونٹوں کو طرب میں ساربانِ پر نغم

(محمد فیاض الدین)

اسی شعر کا منظوم اردو ترجمہ ابوالعصر مرزا غلام حیدر ننکانوی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

جب تلک چلتی رہے گلزار میں بادِ صبا
جب تلک گاتے رہیں اشعار یہ اہلِ نغم[۳۳]

غلام حیدر کا ترجمہ محمد فیاض الدین کی نسبت زیادہ بامعنی، با محاورہ اور مفہوم کو زیادہ بلیغ طریقے سے ادا کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور اب وارث شاہ کے منظوم ترجمے میں سے کچھ اشعار پڑھتے ہیں:

محکم خبراں وچ قرآن شبہ نہ رہیا کسے
جو الفاظ شگفتہ روشن نور الٰہی دسے

(قرآن حکیم کی آیات مبارکہ خود حکم ہیں کہ اختلاف کرنے والے کے لیے کوئی شبہ نہیں رہنے دیتیں، نہ ہی ان کے فیصلے میں کسی منصف کی حاجت رہتی ہے۔)

دین محمد مہماں جانو آیا گھر کفاراں
ہر کافر دا گوشت کھاوے کر کے شوق ہزاراں

(یوں لگتا ہے کہ اسلام ان کے گھر ایسے سرداروں کے ساتھ مہمان بن کر آیا تھا، جن کو دشمن کا گوشت پُر لطف لگتا تھا۔)

ایہہ گل دور امید وراں دی نبیؐ امید کراوے
یا ہمسایہ اس دے کولوں بے عزت پھر جائے

(یوں ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آس امید لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہو اور اسے مایوس و ناامید لوٹنا پڑے۔)

تاں میں مدح رسول کیتی کر کے فکر گھنیرے
جوں ایہہ ہوگ خلاصی میری، اوکھے وقت بھلیرے

(اور جب سے میں نے اپنے آپ کو مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کر دیا، مجھے ہر مصیبت اور بلا سے چھٹکارا مل گیا۔)

بہتر سبھ خلقت تھیں توں ہیں ہور پناہ نہ کائے
باجھ تساں وچ خطر عظیمے تے وچ سخت بلائے

(اے، خلقت پر سب سے زیادہ مہربان! مجھ غلام کو مصیبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی بڑی بارگاہ نہیں، جہاں سے میں سہارا تلاش کروں۔)

بخشش تیری تھیں ایہہ دنیا عقبیٰ ہووے جوڑا
جو کجھ لوح قلم وچ لکھیا علم تیرے تھیں تھوڑا

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بخشش کے سبب دنیا اور آخرت دونوں دنیائیں وجود میں آئیں، اس لیے لوح اور قلم کا گیان تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا ایک ادنیٰ جز ہے۔)

ربا رحمت کر بندے تے اندر دوہاں جہاناں
ایہہ سختی وچ صبر نہ کردا پڑھدا نہ شکراناں

(اے میرے رب! اپنے اس بندے پر دونوں جہانوں کی رحمت نازل فرما، کیونکہ میں اس قدر کمزور ہوں کہ آزمائش کے وقت صبر اور شکر نہیں کر سکتا۔)

سید وارث شاہ کا ترجمہ قصیدہ بردہ شریف اس قدر رواں اور بے ساختہ ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے احساسات اور جذبات بھی اس ترجمے کے ذریعے لفظوں میں سمو دیے ہیں، اور اپنی شاعری اور فکر کو اس کے توسط سے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ چنانچہ قصیدہ بردہ شریف کا یہ ترجمہ، کئی حوالوں سے بے حد اہمیت کا حامل ہے، جنھیں اگلے مراحل میں موضوعِ تحقیق بنانا مفید رہے گا۔

حواشی و حوالہ جات

* ریسرچ ایسوسی ایٹ (پنجابی ادب)، گرمانی مرکز زبان و ادب، لاہور یونی ورسٹی اوف مینجمنٹ سائنسز، لاہور۔

۱۔ امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۳۔ ممتاز سلیم، ''سید وارث شاہ دا قصیدہ بردہ دا ترجمہ''، مشمولہ پنج دریا لاہور، وارث نمبر (اکتوبر، نومبر ۱۹۶۹ء): ص ۴۷۷–۴۷۸۔

۴۔ ایضاً، ص ۴۷۷۔

۵۔ ایضاً، ص ۴۷۷–۴۷۸۔

۶۔ علی عباس جلال پوری، مقاماتِ وارث شاہ (لاہور: مکتبہ فکر و دانش، ۱۹۸۹ء)، ص ۶۱۔

۷۔ عذرا وقار، وارث شاہ: عہد اور شاعری (اسلام آباد: ادارہ تاریخ وتہذیب وتمدن اسلامی، الجامعۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۱ء)، ص ۴۳–۴۴۔

۸۔ سبط الحسن ضیغم نے اپنے مجموعۂ تراجم میں حافظ برخوردار کے ضمن میں تحریر کیا ہے:

> تراجم کے اس مجموعے میں شامل دوسرا ترجمہ حافظ برخوردار کی تخلیق ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے یوسف زلیخا عہد عالمگیری میں ۱۰۹۰ھ /۱۶۷۹ء میں تخلیق کی، اور ۱۶۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ متعلقہ تذکروں میں ان کے احوال و آثار کے بارے میں بہت کم مواد ملتا ہے اور جو موجود ہے اس سے معاملات اور الجھ جاتے ہیں۔

امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم، ص ۵۶۔

۹۔ مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ایڈیٹر چودھری محمد افضل خاں (لاہور: عزیز پبلشرز، ۱۹۸۸ء)۔

۱۰۔ فقیر محمد فقیر، پنجابی زبان و ادب کی تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)۔

۱۱۔ قاضی فضل حق، پنجابی علم و ادب میں مسلمانوں کا حصہ (۱۰۰۰ھ – ۱۳۰۰ھ)، مرتب بذل حق محمود (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)۔

۱۲۔ سید اختر حسین جعفری، داستان پنجابی زبان و ادب (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۳ء)۔

۱۳۔ باوا بدھ سنگھ، پریم کہانی (لاہور: پنجند اکیڈمی، ۱۹۸۸ء)۔

۱۴۔ بنارسی داس جین، پنجابی زبان تے اوہدا لٹریچر (لاہور: مجلس شاہ حسین، ۱۹۴۱ء)۔

۱۵۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف (لاہور: ایوانِ علم پلازہ، ۲۰۱۵ء)۔

۱۶۔ خورشید رضوی، عربی ادب قبل از اسلام، جلد اول (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۱۷۔

۱۷۔ یہاں بھی نام والا مسئلہ ہے۔ سبط الحسن ضیغم نے قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ کرنے والے کو حافظ برخوردار مسلمانی والا، قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں سنین، تواریخ اور شخصیات کے حوالے سے استناد پیش کر کے بہت سے ثبوت بہم اکھٹے کیے ہیں۔ دراصل یہ وہی مسئلہ ہے جس سے ہمارے پنجابی کے بہت سے محقق دوچار نظر آتے ہیں۔ دیگر محققین کے علاوہ احمد

حسین احمد قریشی بھی اپنی تصنیف پنجابی ادب کی مختصر تاریخ میں کچھ ایسے ہی الجھاؤ کا شکار ہیں۔

حافظ برخوردار اس دور کی ایک اہم شخصیت ہیں، ان کے نام سے پنجابی ادب میں بہت سا ذخیرۂ کتب ملتا ہے، جن میں سے حسبِ ذیل ہمارے پاس موجود ہے:

۱۔فرائضِ ورثہ (۱۰۸۱ھ)،۲۔یوسف زلیخا (۱۰۹۰ھ)،۳۔سسی پنوں،۴۔مرزا صاحباں، ۵۔حکایت پاک رسولؐ دی،۶۔جنگ نامہ امام حسینؑ، ۷۔ترجمہ قصیدہ غوثیہ، ۸۔ترجمہ قصیدہ بانت سعاد، ۹۔رسالہ نادریہ، ۱۰۔قصہ کھتری، ۱۱۔ہیر رانجھا، ۱۲۔متفرق نظمیں، ۱۳۔چرخی نامہ، ۱۴۔انواع برخوردار، جس میں انیس رسائل ہیں، سن تصنیف ۱۱۷۶ھ۔

ان تصانیف کے سنین تصنیف میں فرق کچھ اس نوعیت کا ہے کہ یہ ایک آدمی کی تصانیف معلوم نہیں ہوتیں۔ دوسرے مختلف النوع مذاق اس کی تائید کرتا ہے۔ سب سے بڑی الجھن یہ ہے کہ ان کتابوں میں حافظ کے حالات، خاص طور پر جائے رہائش مختلف مقامات ہیں، جس سے حافظ کے حالاتِ زندگی مرتب کرنے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً فرائض ورثہ میں مسلمانی چیمہ چٹھہ پرگنہ صوبہ لاہور کا ذکر ہے اور علم پڑھنے کا ذکر جہان آباد میں کیا ہے۔ انواع اور ترجمہ قصیدہ غوثیہ میں اپنا وطن تخت ہزارہ ظاہر کیا ہے اور سیالکوٹ سے علم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ترجمہ قصیدہ بانت سعاد میں رسول نگر، رہائش بتاتے ہیں۔ نیز ان کی پہلی تصنیف ۱۰۸۱ھ اور آخری تصنیف انواع ۱۱۷۶ھ کی ہے۔ ان دو سنین میں فرق اتنا ہے کہ ہمیں اتنی لمبی عمر کا آدمی کہیں سے معلوم نہیں ہو سکا جو اتنا عرصہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہا ہو۔

قریشی احمد حسین احمد قلعداری، پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، نگران وحید قریشی (لاہور: میری لائبریری، ۱۹۶۴ء)، ص ۵۷–۵۸۔

۱۸۔ بشیر حسین ناظم، ''تراجم''، پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، مرتب انعام الحق جاوید (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء)، ص ۴۲۵۔

۱۹۔ امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم، ص ۵۶۔

۲۰۔ ابوالبرکات مولانا محمد عبدالمالک کھوڑوی، شرح قصیدہ بردہ شریف (کراچی: برکاتی پبلشرز، س ن)، ص ۴۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲–۱۳۔

۲۲۔ امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم، ص ۳۱۔

۲۳۔ عالم فقری (مترجم)، قصیدہ بردہ شریف (لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۵ء)، ص ۳–۴۔

۲۴۔ امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم، ص ۳۹–۴۰۔

۲۵۔ ایضاً، ۳۸–۳۹۔

۲۶۔ سید محی الدین قادری، دیوان قادری (جالندھر: اروپہ پریس، س ن)۔

تعداد جلد: ۱۱۰۰، قیمت: ۴ آنہ، بار: ہشتم

اروپہ پریس جالندھر شہر میں بھاشا امرناتھ کھنہ کے اہتمام سے طبع ہوا۔
(محمد امین خاں برکی، سکنہ بستی غُذاں ضلع جالندھر کی جانب سے مشتہر کیا گیا۔)

۲۷۔ محمد علیم الدین، پیر سید محمد نیک عالم کی کتاب وسائل النجاۃ میں ”تقدیم“ کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:

> آپ کے تاحال دریافت شدہ کلام میں تین پنجابی نظم میں تراجم ہیں: ا۔ترجمہ قصیدہ بردہ شریف ،۲۔ترجمہ قصیدہ بانت سعاد،۳۔ترجمہ دلائل الخیرات، یہ تینوں تراجم ایک مخطوطے میں یکجا ہیں۔ اس کے کاتب آپ کے برادرِ اصغر حضرت خواجہ – اول الذکر دو قصیدے عربی زبان کی نظم میں ہیں جب کہ تیسری عربی نثر میں ہے۔ اس ترجمے کے بارے میں چند حقائق ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ حضرت پیر صاحب نے اس ترجمے کا نام وسائل النجاۃ شرح دلائل الخیرات رکھا ہے۔ یہ ترجمہ اور دیگر دونوں تراجم درحقیقت آپ کے عشق رسولؐ کے آئینہ دار ہیں۔

پیر سید محمد نیک عالم (مترجم)، دلائل الخیرات و شوارق الانوار فی ذکر الصلوۃ علی النبیؐ المختار کا پنجابی منظوم ترجمہ الموسوم بہ وسائل النجاۃ (جہلم: خانقاہِ سلطانیہ، گلشنِ عظیم، ۲۰۱۶ء)، ص۱۴۔

اس کتاب کے تعارف کے سلسلے میں مولانا محمد ظہیر بھٹی نے پیر سید نیک عالم کے حوالے سے بہت اہم اور عمدہ بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> حضرت پیر عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنے منظوم ترجمے میں پنجابی کے مختلف لہجوں کو حسبِ ضرورت شعر و شاعری میں استعال کیا ہے۔ مرکزی پنجاب کے لہجے کی جھلکیاں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً شرما کے لیے ”سنگنا“ کا استعمال وغیرہ؛ اسی طرح پوٹھوہاری لہجے کے کئی الفاظ کا استعمال فرماتے ہیں: مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں: ”قصہ خوابے والا جا کے نال پیو دے بایا“۔ آپ چونکہ کافی مدت تک چکوال کے علاقے میں قیام پذیر رہے اس لیے ”دھنی لہجہ“ کے کافی الفاظ بکثرت استعمال کیے ہیں، جیسے اساڈا، تساڈا، پیندا، کریندا وغیرہ۔
>
> پیر سید محمد نیک عالم (مترجم)، ایضاً، ص۳۲–۳۳۔

۲۸۔ امام محمد شرف الدین البوصیری، قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)، مرتب سید سبط الحسن ضیغم، ص۴۸۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۹۵–۲۵۵۔

۳۰۔ بشیر حسین ناظم، ”تراجم“، ص۴۲۵–۴۲۶۔

۳۱۔ محمد اختر جہ، قصیدہ بردہ شریف: منظوم پنجابی ترجمہ (نارووال: مجلس ہاشم شاہ، ۲۰۰۹ء)۔

۳۲۔ حفیظ تائب، ”دیباچہ“، قصیدہ بردہ: منظوم پنجابی ترجمہ، مترجم اسیر عابد (گوجرانوالہ: احباب پبلی کیشنز، ۹۱–۱۹۹۰ء)، ص۱۸–۲۱۔

۳۳۔ حمید اللہ ہاشمی (مرتب)، شرح قصیدہ بردہ شریف (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن)، ص۲۵۲۔

مآخذ

البوصیری،امام محمد شرف الدین۔ قصیدہ بردہ شریف (مجموعۂ تراجم)۔مرتب سید سبط الحسن ضیغم ۔اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء۔

تائب،حفیظ ۔’’دیباچہ‘‘۔قصیدہ بردہ: منظوم پنجابی ترجمہ ۔مترجم اسیر عابد۔گوجرانوالہ: احباب پبلی کیشنز، ۹۱۔۱۹۹۰ء۔

ججہ،محمد اختر ۔ قصیدہ بردہ شریف : منظوم پنجابی ترجمہ ۔نارووال:مجلس ہاشم شاہ، ۲۰۰۹ء۔

جعفری،سید اختر حسین ۔ داستان پنجابی زبان و ادب ۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲۰۱۳ء۔

جلال پوری،علی عباس ۔ مقاماتِ وارث شاہ ۔لاہور: مکتبہ فکر و دانش، ۱۹۸۹ء۔

جین،بنارسی داس ۔ پنجابی زبان تے اوہدا لٹریچر ۔لاہور: مجلس شاہ حسین، ۱۹۴۱ء۔

حق،قاضی فضل ۔ پنجابی علم و ادب میں مسلمانوں کا حصہ (۱۰۰۰ھ – ۱۳۰۰ھ)۔مرتب بذل حق محمود ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء۔

رضوی،خورشید ۔ عربی ادب قبل از اسلام۔ جلد اول ۔لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء۔

سلیم،ممتاز۔’’سید وارث شاہ دا قصیدہ بردہ دا ترجمہ‘‘۔مشمولہ پنج دریا لاہور، وارث نمبر (اکتوبر،نومبر ۱۹۶۹ء)۔

سنگھ،باوا بدھ ۔ پریم کہانی ۔لاہور: پنجند اکیڈمی، ۱۹۸۸ء۔

صدیقی،ابوالاعجاز حفیظ ۔ ادبی اصطلاحات کا تعارف ۔لاہور: ایوانِ علم پلازہ، ۲۰۱۵ء۔

عالم، پیرسید محمد نیک (مترجم)۔ دلائل الخیرات و شوارق الانوار فی ذکر الصلوة علی النبیؐ المختار۔ پنجابی منظوم ترجمہ الموسوم وسائل النجاة ۔جہلم: خانقاہِ سلطانیہ،گلشنِ عظیم، ۲۰۱۶ء۔

فقری، عالم (مترجم)۔ قصیدہ بردہ شریف ۔لاہور: ادارہ پیغام القرآن، ۲۰۰۵ء۔

فقیر،فقیر محمد ۔پنجابی زبان و ادب کی تاریخ ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء۔

قادری،سید محی الدین ۔ دیوان قادری ۔جالندھر: اروپہ پریس،س ن۔

قلعداری،قریشی احمد حسین احمد ۔ پنجابی ادب کی مختصر تاریخ ۔نگران وحید قریشی۔لاہور: میری لائبریری،۱۹۶۴ء۔

کشتہ،مولا بخش ۔ پنجابی شاعراں دا تذکرہ ۔ ایڈیٹر چودھری محمد افضل خاں ۔لاہور: عزیز پبلشرز، ۱۹۸۸ء۔

کھوڑوی،ابوالبرکات مولانا محمد عبدالمالک ۔ شرح قصیدہ بردہ شریف ۔کراچی: برکاتی پبلشرز،س ن۔

ناظم، بشیر حسین ۔’’تراجم‘‘۔ پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ ۔مرتب انعام الحق جاوید ۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء۔

وقار، عذرا ۔ وارث شاہ: عہد اور شاعری ۔اسلام آباد: ادارہ تاریخ وتہذیب وتمدن اسلامی، الجامعۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۱ء۔

ہاشمی،حمید اللہ (مرتب)۔ شرح قصیدہ بردہ شریف ۔ لاہور: مکتبہ دانیال،س ن۔